IQBAL REVIEW (67: 3)
(July – September 2026)
ISSN(p): 0021-0773
ISSN(e): 3006-9130

علامہ اقبال کی پیش گوئیاں اور موجودہ عالمی صورتِ حال: سیاسی، تہذیبی، معاشی، دینی اور سائنسی اثرات کا تحقیقی جائزہ

Allama Iqbal's Predictions and the Contemporary Global Situation: A Critical Study of Their Political, Civilizational, Economic, Religious, and Scientific Implications

محمد بابر خان
پی ایچ ڈی سکالر
امپریل یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT

This research examines Allama Muhammad Iqbal's predictions and future-oriented insights in relation to contemporary global developments. It argues that Iqbal's so-called predictions should not be understood merely as mystical forecasts or accidental poetic correspondences; rather, they emerge from his profound understanding of history, politics, civilization, religion, economics, human psychology, and the changing structure of global power. Through his poetry and prose, Iqbal identified several tendencies that have become increasingly visible in the modern world, including Western political domination, economic exploitation, the fragmentation of the Muslim world, the rise of Zionist power in the

Middle East, the decline of moral and family values, the expansion of interest-based capitalism, the growing strength of China, and the rapid advancement of science and technology. The study analyzes the political, civilizational, economic, religious, and scientific dimensions of Iqbal's foresight. In the political sphere, his warnings concerning imperialism, the weakness of Muslim states, internal divisions, and foreign domination are considered in the context of contemporary wars, regional instability, and the continuing crises in Palestine, Syria, and other Muslim regions. In the civilizational and social domain, the research evaluates Iqbal's criticism of materialism, moral permissiveness, cultural imitation, and the weakening of spiritual and familial institutions. Economically, it explores his opposition to usury, financial concentration, and exploitative capitalism, while also examining his anticipation of the economic awakening of China. The religious dimension focuses on his call for Muslim unity, revival of selfhood, moral courage, and collective responsibility. The scientific dimension considers his poetic references to technological transformation, medical innovation, artificial reproduction, automation, and the expansion of human knowledge. The research concludes that the enduring significance of Iqbal's foresight lies not only in its apparent correspondence with later events but also in its diagnostic and reformative character. Iqbal identified the intellectual, moral, political, and economic causes behind global disorder and proposed selfhood, faith, knowledge, justice, unity, ethical responsibility, and creative action as remedies. His thought therefore remains relevant as a critical framework for understanding contemporary crises and as a source of guidance for the moral, intellectual, and civilizational reconstruction of humanity.

Keywords: Allama Muhammad Iqbal; Foresight; Global Politics; Western Imperialism; Muslim World; Zionism; Civilizational Crisis; Economic Exploitation; Scientific Advancement; Artificial Intelligence.

علامہ محمد اقبال محض شاعر اور فلسفی ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے سیاسی، تہذیبی، معاشی، دینی اور سائنسی رجحانات کا گہرا ادراک رکھنے والے ایسے بصیرت مند مفکر تھے جنھوں نے اپنی شاعری، خطبات، مکاتیب اور نثری بیانات میں مستقبل کی عالمی صورتِ حال کے متعدد امکانات کی نشان دہی کی۔ اقبال سے منسوب پیش گوئیوں سے مراد محض غیبی واقعات کی پیشگی خبر نہیں، بلکہ تاریخ، تہذیب، انسانی نفسیات اور عالمی طاقتوں کے طرزِ عمل کے عمیق مطالعے سے اخذ کردہ وہ فکری بصیرت ہے جس کے ذریعے انھوں نے مغربی استعمار، مادیت پرست تہذیب، سرمایہ دارانہ استحصال، سودی معیشت، مسلم ممالک کے سیاسی انتشار، عرب قومیت، صہیونی منصوبے، تہذیبی انحطاط اور سائنس و ٹیکنالوجی کی غیر معمولی پیش رفت کے ممکنہ نتائج کو اپنے عہد ہی میں محسوس کر لیا تھا۔ عصرِ حاضر میں جاری عالمی جنگیں، معاشی عدم استحکام، کمزور ریاستوں کے وسائل پر بڑی طاقتوں کا تسلط، فلسطین و شام سمیت مسلم علاقوں کی تباہی، مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیلی بالادستی، امتِ مسلمہ کی فرقہ وارانہ و قومی تقسیم، خاندانی و اخلاقی نظام کا بحران، دولت کا چند اداروں اور گروہوں میں ارتکاز، چین کا معاشی عروج اور مصنوعی ذہانت و حیاتیاتی ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی ایسے مظاہر ہیں جنھیں اقبال کے فکری انتباہات اور مستقبل بین اشارات کے تناظر میں از سرِ نو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تاہم اقبال کی پیش بینی کا مطالعہ محض واقعات اور اشعار کے ظاہری تطابق تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس امر کا تحقیقی جائزہ بھی ضروری ہے کہ ان کے بیانات کن تاریخی حالات، فلسفیانہ مقدمات، قرآنی تصورات اور تہذیبی مشاہدات پر قائم تھے اور موجودہ واقعات سے ان کی معنوی مطابقت کی نوعیت کیا ہے۔ زیرِ نظر تحقیق میں اقبال کی سیاسی، تہذیبی، معاشی، دینی اور سائنسی پیش بینیوں کو موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں جانچتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کی فکر آج بھی انسانیت کو طاقت کی سیاست، معاشی ناانصافی، تہذیبی بے سمتی اور سائنسی ترقی کے اخلاقی خطرات سے آگاہ کرنے کے ساتھ امتِ مسلمہ کو اتحاد، خودی، فکری آزادی، اخلاقی تجدید اور اجتماعی عمل کی راہ دکھاتی ہے۔

علامہ اقبال کی پیش گوئیوں کے تناظر میں موجودہ عالمی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں ایک بے چینی اور کشیدگی کا عالم ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطے کی بات کی جائے، وہ معاشی اور سیاسی عدم استحکام کا شکار ہیں۔ ہر طرف جنگی ماحول ہے، یہ کہیں کہیں جنگیں شروع ہیں۔ علامہ اقبال نے جن مسائل اور واقعات کی پیش گوئیاں کی تھیں، ان پیش گوئیوں کے اثرات اس دنیا میں

کیا کچھ رونما ہو رہے ہیں، اس حوالے سے جو واقعات پیش آ چکے ہیں، انھیں پیش کیا جائے گا۔ دنیا کی بڑی طاقتیں اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے کمزور ممالک پر اپنا زور آزمارہی ہیں۔ بعض اوقات یہ بڑے ممالک معاشی ترقی اور خوشحالی کا خواب دیکھا کر ان ممالک کی معدنیات اور ذخائر پر قبضہ جما لیتے ہیں۔ بظاہر یہ معاشی طور پر کمزور ممالک یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ان مغربی ممالک کی سائنسی اور ٹیکنالوجی سے مستفید ہو کر ان کے ہاں بھی خوشحالی آ جائے گی، مگر نتائج اس سے مختلف نکلتے ہیں۔

مغرب کے مادیت پرست حکمران صرف اپنے مفادات کے لیے نئے نئے طریقوں سے اپنی بالادستی قائم رکھتے ہیں۔ حالیہ جنگوں میں روس اور یوکرائن کی جنگ نے ایشیا اور یورپ کے حالات نہ صرف کشیدہ کر دیے بلکہ معاشی بحران اور مہنگائی بھی پیدا ہوئی۔ اسی طرح اسرائیل اور فلسطین غزہ کی جنگ سے لاکھوں لوگ متاثر ہوئے اور ہزاروں فلسطینی شہری اس بمباری کا شکار ہوئے جو اسرائیلی جنگی جہازوں نے کی۔ اس جنگ نے پورے عرب، خلیج اور وسطی ایشیائی ممالک میں بے چینی پیدا کر رکھی ہے۔ اسی دوران امریکہ نے ایک طرف تو یوکرائن جنگ میں یورپ کے ساتھ مل کر روس کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے اور دوسری طرف وینزویلہ پر حملہ کر کے وہاں حکومت کو اپنے سہولت کاروں کی مدد سے بدل دیا اور وہاں کے صدر کو گرفتار کر کے امریکہ لے گیا۔ اقبال کی فکر کے مطابق جو پیش گوئیاں کی گئی تھیں، ان کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اقبال کی پیش گوئی کے اثرات کا سامنا گزشتہ چند دہائیوں سے امت مسلمہ مسلسل کر رہی ہے۔ اسرائیل کے قیام کا مقصد ہی اسلام کے خلاف محاذ آرائی کو جاری رکھنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب اسلامی ممالک کے دل میں ایک خنجر نما یہودی ملک کا قیام عمل میں لایا گیا، جس نے پہلے دن سے ہی اپنی فتنہ گریوں کا آغاز کر دیا تھا۔ یورپ اور امریکہ ہر طرح کا دفاعی ساز و سامان اور دیگر عسکری طاقت اسے مہیا کرتے ہیں۔ عرب ممالک سے دو مرتبہ جنگوں نے ثابت کیا کہ اقبال نے اس مغربی اڈے (اسرائیل) کو مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لیے ہی قائم کیا تھا، جس کے ثبوت آگے چل کر مزید سامنے آئیں گے۔ امریکہ اور یورپ اپنے مفادات کی جنگیں ایک طرف تو یوکرائن اور وینزویلہ میں تیل اور دیگر ذخائر کے لیے لڑ رہے ہیں، دوسری طرف ایک اور تباہ کن جنگ جسے اسرائیل اور امریکہ نے عین اس وقت چھیڑ دیا جب یہ تمام واقعات دنیا میں رونما ہو رہے ہیں۔ معیشت تباہ ہو رہی ہے، ملکوں کے سیاسی ڈھانچے تبدیل کیے جا رہے ہیں، اور جہاں سیاسی تبدیلی ممکن نہیں وہاں براہ راست حملہ کر کے ان ممالک

میں تباہی پھیلا دی جا رہی ہے۔ اسرائیل اور امریکہ کے ایران پر حملوں کی صورت میں یہ منظر سامنے آیا۔ امریکہ نے وینزویلہ پر حملہ کر کے وہاں کے صدر کو گرفتار کر لیا اور امریکی عدالت میں ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہ وہ غیر رسمی اور غیر انسانی رویہ تھا جسے امریکہ کے موجودہ صدر نے نہ صرف اپنی کامیابی کہا بلکہ بڑے فخر کے ساتھ دنیا کو باور کرایا کہ جو ممالک ہماری بات ماننے سے انکار کریں گے، ان پر اسی طرح کے حملے ہوں گے اور انھیں بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔ اسی غرور و تکبر نے طاغوتی طاقتوں کو مجبور کیا کہ وہ ایران پر حملہ کر دیں، پھر ایسا ہی ہوا۔ امریکہ اور اسرائیل کے فضائی حملوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ایران میں بہت تباہی پھیلی۔ ایرانی قوم سے کہا گیا کہ ان کی آزادی کا وقت آ گیا ہے، وہ احتجاج کے لیے سڑکوں پر آئیں۔ ممکن تھا کہ وینزویلہ اور دیگر ممالک کی طرح یہاں بھی دھمکا کر حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا اور اپنے مفاد کو پورا کرنے کے لیے ایسے لوگ ملک پر مسلط کیے جاتے جو ان کے سہولت کار ہوتے۔

علامہ اقبال کی سیاسی پیش گوئیوں کے اثرات :

مسلمانوں کی عالمی حکومت، خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد، جن اسلامی ممالک نے اپنے ملک کا نظام اسلامی سیاسی بنیادوں پر رکھنے کے لیے اقدامات کیے، انھیں اسلام دشمن طاقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک ہوں یا برطانوی راج سے آزاد ہونے والے دیگر ممالک، جن میں پاکستان بھی شامل ہے، اپنے سیاسی نظام میں اسلامی اصولوں کو نافذ العمل نہیں کر سکے۔ اسرائیل کا وجود ہی اسی لیے قائم کیا گیا تھا کہ اسلامی ممالک، اور خاص طور پر وسطی ایشیائی ممالک اور خلیجی ممالک پر اپنا تسلط ہمیشہ کے لیے قائم رکھا جا سکے۔

> علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ مشرق کے دروازے پہ مغربی استعمار کے اس اڈے (اسرائیل) کی تعمیر اسلام اور ہندوستان دونوں کے لیے خطرے کا باعث ہے۔[1]

اقبال کی جو پیش گوئی تھی، اس کے اثرات کا سامنا گزشتہ چند دہائیوں سے امت مسلمہ مسلسل کر رہی ہے۔ اسرائیل کے قیام کا مقصد ہی اسلام کے خلاف محاذ آرائی کو جاری رکھنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب اسلامی ممالک کے دل میں ایک خنجر نما یہودی ملک کا قیام عمل میں لایا گیا، جس نے پہلے دن سے ہی اپنی فتنہ گریوں کا آغاز کر دیا تھا۔ یورپ اور امریکہ نے ہر طرح کا دفاعی ساز و سامان اور دیگر عسکری طاقت اسے مہیا کی۔ عرب ممالک سے دو مرتبہ جنگوں نے ثابت کیا کہ اقبال کے فرمان کے مطابق اس مغربی اڈے (اسرائیل) کو مسلمانوں میں انتشار پھیلانے اور انھیں تباہ کرنے کے لیے ہی قائم کیا گیا تھا،

جس کے ثبوت آگے چل کر مزید سامنے آئیں گے۔ امریکہ اور یورپ اپنی مفادات کی جنگیں ایک طرف یوکرائن اور وینزویلہ میں تیل اور دیگر ذخائر پر قبضے کے لیے لڑ رہے ہیں، تو دوسری طرف ایک اور تباہ کن جنگ جسے اسرائیل اور امریکہ نے عین اسی وقت چھیڑ دیا جب یہ تمام واقعات دنیا میں رونما ہو رہے ہیں۔ معیشت تباہ ہو رہی ہے، ملکوں کے سیاسی ڈھانچے تبدیل کیے جا رہے ہیں، اور جہاں سیاسی تبدیلی ممکن نہیں، وہاں براہ راست حملہ کر کے ان ممالک میں تباہی جاری ہے۔ اسرائیل اور امریکہ کے ایران پر حملوں کی صورت میں سامنے آئی۔ امریکہ نے وینزویلہ پر حملہ کر کے وہاں کے صدر کو گرفتار کر لیا اور امریکی عدالت میں ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہ وہ غیر رسمی اور غیر انسانی رویہ تھا جسے امریکہ کے موجودہ صدر نے اپنی نہ صرف کامیابی کہا بلکہ بڑے فخر کے ساتھ دنیا کو باور کروادیا کہ جو ممالک ہماری مقاصد کے خلاف کھڑے ہونے کی کوشش کریں گے، ان پر اسی طرح کے حملے ہوں گے اور انھیں بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔ اسی غرور و تکبر نے طاغوتی طاقتوں کو مجبور کیا کہ وہ ایران پر حملہ کر دیں۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ امریکہ اور اسرائیل کے فضائی حملوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ایران میں بہت تباہی پھیلی۔ ایرانی قوم سے کہا گیا کہ ان کی آزادی کا وقت آگیا ہے، وہ احتجاج کے لیے سڑکوں پر آئیں۔ ممکن تھا کہ وینزویلہ اور دیگر ممالک کی طرح یہاں بھی ڈرا دھمکا کر حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا اور مغربی مفادات کو پورا کرنے کے لیے ایسے لوگوں کو ملک پر مسلط کیا جاتا جو اس کے سہولت کار ہوتے۔

ان مغربی طاغوتی طاقتوں نے مسلم ممالک کے خلاف براہ راست طویل جنگیں لڑنے کی بجائے، ان ممالک میں اپنے پسندیدہ حکمرانوں کو مسلط کرنے کی حکمت عملی پر کام شروع کیا، جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

وسطی ایشیائی ممالک ہوں یا خلیجِ فارس، ہر جگہ انتشار اور جنگ کا ایک ہی مقصد ہے کہ اس خطے میں اسرائیل کی بالادستی قائم کی جائے۔ اسرائیل کی اس غنڈہ گردی کو یورپ اور امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے۔

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا[۲]

اسرائیل اور امریکہ کے ایران پر حملوں میں ایرانی سپریم لیڈر آیت اللہ خامنائی کو اپنے ساتھیوں سمیت شہید کر دیا گیا اور ایک طالبات کے سکول پر فضائی حملہ کر کے بچوں کو شہید کر دیا گیا۔ اس حملے

کے بعد جس طرح ایرانی قوم نے متحد ہو کر اپنے دشمن کو جواب دیا، وہ بہت جرت مندانہ تھا۔ اس وقت اہلِ اسلام میں کوئی بھی ایسا ملک نہیں تھا جو اسرائیل کے خلاف بھرپور جنگ لڑتا۔ یورپ، امریکہ اور اسرائیل کا نشانہ خاص طور پر مسلمان ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں کسی بھی مسلمان ملک پر حملہ کر دیتے ہیں یا اس ملک میں امریکہ اور اسرائیل مخالف حکومتوں کا تختہ الٹ دیتے ہیں۔ سیاست کے نام پر اس گندے کھیل کا سب سے زیادہ شکار شام ہوا۔

شام و فلسطین:

ملک شام کو اسلامی تاریخ میں ایک بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اور فلسطین قدیم شام کا حصہ تھا۔ عہد نبوی ﷺ، اسلامی فتوحات اور خلافت عثمانیہ کے دور میں فلسطین، شام کا حصہ تھا۔ تمام انتظامی امور شام کے پاس تھے اور اسے بلادِ شام کہا جاتا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانوی اور فرانسیسی حکام نے سائیکس-پیکو معاہدہ (Sykes-Picot Agreement) کے تحت شام کو تقسیم کر دیا اور فلسطین کو علحیدہ ملک بنا دیا۔ اس سے قبل ۱۹۱۷ء میں ایک معاہدہ کیا گیا تھا۔ درحقیقت یہ ایک خط تھا جو اس وقت کے وزیر خارجہ آرتھر جیمز بالفور نے یہودیوں کے ایک راہنما کو سادہ صفحے پر لکھ کر بھیجا تھا۔ یہ وعدہ برطانیہ کے ساتھ جنگ عظیم میں صیہونی تعاون کے بدلے کے طور پر دیا گیا تھا۔

یہاں ایک بات قابل غور ہے جسے تحقیق ثابت کرتی ہے کہ برطانوی وزیر خارجہ نے اپنے وعدے کی پاسداری کو مد نظر رکھتے ہوئے اس عظیم اسلامی ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، جہاں اس صیہونی ریاست کا قیام عمل میں لانا تھا۔ ایک سال قبل یہ معاہدہ کیا گیا اور اس کے اگلے سال یعنی ۱۹۱۸ء میں شام کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ معاہدہ بالفور کے بعد سے ہی یہودیوں کی آبادکاری کا سلسلہ خطہ فلسطین میں شروع ہو گیا۔ اس وقت جو یہودی فلسطین میں داخل ہوئے وہ پناہ لینے کے بہانے آئے تھے۔ انھوں نے یہاں زمینیں خریدنا شروع کیں اور یہ آبادکاری ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء کے درمیانی عرصے میں بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس آبادکاری کے مقاصد تو اہل مغرب اور یہودی بخوبی جانتے تھے، لیکن اہل عرب اس حوالے سے کیوں غافل رہے، یہ بات قابل غور ہے۔ دراصل جدید عرب ریاست کا قیام اور ان میں جدید طرز حکومتوں کی جستجو میں محو، اس خطے کے حکمران بھول گئے تھے کہ جن سانپوں کو وہ پناہ دے رہے ہیں، وہی کل ان کے بچوں کے قاتل بنیں گے۔ عربوں کی اس تاریخی غلطی اور غفلت کے نتیجے میں اہل شام پر بربادی کے دروازے کھل گئے۔ درحقیقت یہ بربادی صرف شام و فلسطین کے لیے نہ

تھی بلکہ ایک ایک کر کے صیہونی ریاست نے اپنے اردگرد تمام مسلم ریاستوں کو تباہ کر دیا۔ حدیث مبارکہ ہے:

عن شعبة حدثنی أبو إیاس عن أبیه قال قال رسول الله ﷺ إذا فسد أهل الشام فلا خیر فیکم ولا تزال طائفة من أمتی منصورین علی الناس لا یضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة۔ [۳]

جب اہلِ شام میں فساد پید ہو جائے تو پھر تم میں کوئی خیر نہیں، میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر مدد یافتہ رہے گا، انھیں چھوڑنے والے انھیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

بظاہر تو موجودہ شام میں زیادہ تر فسادات نسلی اور مسلکی بنیادوں پر ہوئے۔ شیعہ، سنی ہوں یا کرد قبائل کی لڑائیوں نے اس علاقے کو قتل گاہ بنا دیا، مگر پس پردہ جو طاقتیں تھیں وہ صیہونی اور فرنگی ہی تھیں۔ شام میں بشار الاسد کی حکومت نے تین دہائیوں سے زیادہ عرصہ حکومت کی۔ اس دوران سب سے زیادہ شیعہ و سنی فسادات ہوئے اور لاکھوں افراد لقمہ اجل بن گئے۔ شام تباہ ہو گیا۔ اس دوران فلسطین میں موجود مسلمانوں پر یہودیوں نے جنگ مسلط رکھی۔ یہ وہ جنگ تھی جس نے دنیا کے تمام جنگی اصولوں کو پسِ پشت رکھ کر حیوانیت کی ایسی داستانیں رقم کیں جن کا وجود تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔

خود اہلِ مغرب بھی اس ظلم و ستم پر احتجاج کرتے رہے۔ جنگ کے دوران زخمی ہونے والے بچے اور افراد جب ہسپتالوں میں پہنچتے تو ان پر مزید بمباری کی جاتی۔ جب یہ لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر خیموں میں پناہ گزین بن گئے تو ان خیموں پر وحشیانہ گولہ باری کر کے انھیں شہید کر دیا گیا۔ اہلِ فلسطین کی ایسی نسل کشی کی گئی جو اس سے قبل ہٹلر نے بھی ان یہودیوں کی نہیں کی تھی۔ یہی یہودی جب نازی تحریک اور ہٹلر سے مار کھا رہے تھے تو اپنے آپ کو سب سے معصوم اور بے بس بنا کر دنیا کو دکھاتے تھے۔ ہٹلر نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا، وہ ایسا لگتا ہے کہ وہ ان کی حیوانیت سے واقف تھا، اس لیے وہ ان کا وجود ہی مٹانا چاہتا تھا۔

اس کی عیاری نے بے بس کر ڈالی ہر قوم
عربوں کی وحدت کو اس نے پارہ پارہ کیا
دامِ فریبِ افرنگی میں جب سے عرب پھنسا
اس کو فلک نے دی نہیں اک لمحے کے لیے امان [۴]

حضرت علامہ محمد اقبال جو بات ایک صدی قبل اہلِ عرب کے بارے میں کہی، اس پیش گوئی کا سو فیصد ظاہر ہو جانا آج اہلِ عرب اور عجم کے لیے کافی ہے۔ سب سے پہلے عربوں کا اتحاد ختم کر دیا گیا۔

مصری، قطری، لبنانی، شامی، فلسطینی کے نام پر علحیدہ کر دیا گیا۔ پھر افرنگی نے انھیں اس قدر ترقی اور خوشحالی کے خواب دکھا کر جھگڑا کہ ایک طرف بھائیوں کا قتل عام ہو رہا ہے، تو دوسرے اپنی عیاشیوں میں مصروف ہیں۔

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق ، نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے[۵]

تعمیر و ترقی اور خوشحالی کے کھیل میں اہل عرب کو لگا دیا گیا اور انھیں یہ بھی تسلی دے دی گئی کہ ہم تمہارے محافظ ہیں۔ اقبال کا ایک ایک لفظ یہ ثابت کر رہا ہے کہ جو کچھ آج ہو رہا ہے، وہ ایک صدی قبل بیان کر چکے ہیں۔ امریکہ نے اس وقت تحفظ کے لیے پورے عرب ممالک میں اپنے فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ اسی فوجی لشکر کو دیکھ کر دنیا میں سب سے زیادہ شعور رکھنے والی قوم عرب کیسے دھوکہ کھا گئی کہ یہ فوج ان کے خلاف بھی استعمال ہو سکتی ہے، حیران کن بات ہے۔ اقبال نے جواب شکوہ کے مذکورہ شعر کے پہلے مصرع میں ساری حقیقت بیان کر دی: "تم کیا سمجھتے ہو کہ ایران مٹ گیا تو تم بچ گئے۔" ایسا ممکن ہی نہیں۔ فرنگیوں پر بھروسہ مت کرو، یہ چالاک دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔ نشہ صرف شراب کا ہی نہیں ہوتا، یہ نشہ مال و دولت اور شہرت کا بھی ہوتا ہے، جس میں اہل عرب کے موجودہ حکمران شکار ہو چکے ہیں۔

ان پیش گوئیوں کو پرکھنے کے لیے ایک مرتبہ پھر ایران، اسرائیل اور امریکہ کی جنگ کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ سال ۲۰۲۶ء میں اسرائیل اور امریکہ کی جانب سے کیے جانے والے حملوں میں ایران کو بہت نقصان ہوا۔ یہ نقصان ایک طرف تو جنگی بمباری کی وجہ سے ہوا اور دوسری طرف ایرانی حکومت کی صفوں میں شامل غداروں کی وجہ سے ہوا، جنھوں نے ایران کے بڑے راہنماؤں کو شہید کروایا۔ ایران نے جب جوابی کارروائی شروع کی تو وہ براہ راست اسرائیل اور امریکہ کے خلاف کی۔ امریکہ چوں کہ ایران کی سرحدوں سے ہزاروں میل دور ہے، لہٰذا ایران نے فیصلہ کیا کہ جن قریبی ممالک میں امریکہ کے فوجی اڈے موجود ہیں، انھیں نشانہ بنایا جائے۔ ایسا ہی ردعمل ایران کی جانب سے جب دیا گیا تو وہ حملے عرب ممالک پر ہونے لگے، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں امریکی تنصیبات موجود

تھیں۔ فوجی ہتھیار انھی ممالک سے ہو کر ایران کے خلاف استعمال کیے جاتے تھے۔ جوابی کارروائی نے اہل عرب کو سخت پریشان کیا۔ اب یہ ممالک واپسی کی کارروائی بھی نہیں کر سکتے، ورنہ خطے میں تمام اسلامی ممالک کے درمیان نہ ختم ہونے والی جنگ چھڑ سکتی ہے۔

اقبال نے اپنے فارسی کلام میں ایک اور مقام پر فرمایا تھا کہ ان یہودیوں کے اونٹوں کو اپنے حوضوں تک نہ آنے دینا۔

از فریبِ او اگر خواہی اماں
اشترانش را ز حوضِ خود براں[۶]

اگر تو اس کے طلسم سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اپنے حوض سے اس کے اونٹوں کو بھگا دے۔

جب تک عرب کے رہنے والے اپنے روایتی اور سادہ طرزِ زندگی میں تھے، ان میں جرت اور بہادری بھی تھی۔ وہ جنگجو ہونے کے ساتھ ساتھ فہم و فراست بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے عرب و عجم پر حکمرانی کی۔ دینی اصولوں پر اپنی زندگیاں گزارنے والے یہ لوگ مغربی تہذیب کے اس قدر دلدادہ ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے۔ موسیقی اور مے کی محفلیں ان کی روزمرہ کا حصہ بن گئیں۔ سعودی عرب کے علاوہ عرب ریاستوں نے جس طرح دین اور سیاست کو الگ کر دیا، اس سے قومی طور پر بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ عوام کی بڑی تعداد دینی اصولوں پر عمل پیرا تھی اور حکمران یورپ کی رنگینیوں میں گم ہو گئے۔ اپنے ممالک میں وہی سب سہولتیں مہیا کر دیں جن کے لیے ان حکمرانوں کو یورپ جانا پڑتا تھا۔ آج متحدہ عرب امارات میں عیاشیوں کے درجنوں بلکہ سینکڑوں اڈے موجود ہیں۔ ایک جانب اللہ کا گھر یعنی مسجد ہے، تو اسی کے ساتھ دوسری جانب عیاشی کے لیے کلب، مے خانے موجود ہیں، جس میں جو جی چاہیے کرے۔ بس ان حکمرانوں کو پیسہ چاہیے، معیشت چلنی چاہیے اور عیاشیوں کے لیے دولت اکٹھی ہونی چاہیے۔ دینِ اسلام سے جو وابستگی ان کے اسلاف کو تھی، اب وہ باقی نہیں رہی۔ انھوں نے اپنے دشمنوں کو اپنے گھروں میں داخل کر دیا۔ اب وہ عرب کے پانیوں (فرات اور نیل) پر بھی قابض ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود[۷]

مسلمانوں نے خاص طور پر اہلِ عرب نے جس طرح مغرب کی تقلید کی اور ان کی تہذیب کو اپنایا، وہ اس طرزِ عمل میں اس قدر آگے نکل گئے کہ انھیں پیچھے چھوڑ دیا۔ ایسے ایسے کارنامے مسلمانوں نے سرانجام دیے کہ یہودی بھی حیرت میں مبتلا ہیں۔

تہذیبی اور معاشرتی اثرات:

علامہ اقبال نے مغرب میں جو وقت گزارا، دراصل انھوں نے ان کی تہذیب کے بارے میں پڑھا اور اسے عملی طور پر پرکھا۔ بظاہر مغربی تہذیب میں جو کشش ہے، وہ کسی بھی عام انسان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس مادیت پرست اور دکھاوے پر کھڑے معاشرے نے بڑے بڑے اہلِ علم کو متاثر کیا۔ علامہ اقبال جیسے بڑے مفکر اور اسلام پسند شخص کو متاثر کرنے کے لیے حقیقی معنوں میں کوئی اقدار موجود ہونا ضروری تھا۔ جب اقبال نے اہلِ مغرب کے روز و شب کا بغور مشاہدہ کیا، تو انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ محض ایک دکھاوے کی دنیا ہے اور دھوکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی چمک دمک سے متاثر ہونے کی بجائے اس کے ناقد بن گئے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرہنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف[۸]

جس معاشرے کی بنیادیں انسانی خواہشات پر مبنی ہوں، وہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے رویے بدلتے ہیں اور ان کی خواہشات بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اس خواہشِ نفس کے پیروکار سماج کو سنبھالنا مشکل کام ہے۔ ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو کسی نظم وضبط کے مطابق چلانے کے لیے کسی آفاقی قانون کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کی بنیاد خواہشِ نفس یا مادیت پرستی پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی بنیادیں اخلاقیات اور روحانیت پر ہوتی ہیں۔ جسمانی تسکین کے لیے مغرب نے جس قدر قوانین بنائے، وہاں کا معاشرہ اتنا ہی بے لگام ہوتا چلا گیا۔ عورتوں کی غیر ضروری آزادی اور انھیں گھروں سے نکال کر ادارتی اور تجارتی نظام کا حصہ بنا دینا، خاندانی نظام کی تباہی، ہر فرد اپنی زندگی میں آزاد کر دینا اور اس پر کوئی اخلاقی پابندی نہ ہونا، ان قوانین نے معاشرے کو افراتفری اور بدنظمی کا شکار کر دیا۔ سب کے سب اپنی زندگیوں کو دوسرے سے مالی طور پر بہتر بنانے میں لگ گئے۔ مادیت پرستی کی دوڑ نے اخلاقیات اور روحانیت سے خالی معاشرے کو حیوانوں سے بھی بدتر بنا دیا۔ جہاں ہر انسان آزاد ہو اور اسے خاندانی نظام کی بھی کوئی رکاوٹ نہ ہو، ہر طرح کی معاشی سہولت بھی میسر ہو، تو ان حالات میں

خاص طور پر نوجوان مرد اور عورتیں بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ فحاشت کو آزادی کا نام دیا جاتا ہے۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف[9]

مذہب سے دوری کی وجہ سے بھی اس آزادی پسند معاشرے کو بہت بڑا نقصان ہوا۔ دینی اصولوں کو اپنانے سے انسان کی روح کو تسکین ملتی ہے۔ روح کی ترقی کے لیے بنائے گئے اصول و قواعد انسانوں میں احساس پیدا کرتے ہیں۔ جب انسانوں میں احساس کی دولت آجائے تو وہ دوسرے انسانوں کے لیے رحمت بن جاتا ہے، ان کی خیر خواہی کرتا ہے اور احترام کے رشتوں کو قائم رکھتا ہے۔ اگر والدین، جنھوں نے اس کی پرورش کی، اسے جوانی تک پلایا اور تعلیم دی، کا حق بالغ ہونے کے بعد ختم کر دیا جائے تو ایسا معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی تہذیب میں والدین کا کوئی خاص عزت اور مرتبہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اہلِ مشرق کو اس بیمار معاشرے کی شکل دیکھانے کی کوشش کی۔ مغرب کی تقلید میں اپنی روایات، اخلاقیات اور خاندانی نظام سے دور ہونے سے بچیں، کیوں کہ یہ آزادی ان کی بربادی کا ایک سفر ہے جس میں وہ اپنے ہی ہاتھوں تباہ ہوں گے۔

اقبال کی پیش گوئی تھی کہ:

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا[10]

یہ تہذیب آج خودکشی کر رہی ہے۔ اس بے لگام معاشرے میں بوڑھے والدین بے حرمتی کا شکار ہیں اور تنہائی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ نوجوان ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔ شراب نوشی، بے حیائی اور نشہ عام ہو چکا ہے۔ یورپ میں ایسے لوگوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جو مختلف معاشرتی بیماریوں کا شکار ہیں۔ شادی بیاہ کو بھی غیر ضروری عمل قرار دیا گیا ہے۔ نوجوان بغیر کسی شرعی حکم کو پورا کیے، مرد اور عورتیں ایک ساتھ رہتے ہیں اور بچے پیدا کرتے ہیں۔ جن حکمرانوں اور مفکروں نے یہ قوانین مرتب کیے اور آج تک ان پر عمل پیرا ہیں، وہی ان غیر اخلاقی رویوں کا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔ جو خواتین اپنی آزادی پر خوش تھیں، آج اپنے تحفظ کے لیے ترس رہی ہیں۔ جب تک جوان اور صحت مند ہوتی ہیں، اپنے معاملات خود سنبھالتی ہیں، اور جب بڑھاپے کو پہنچ جاتی ہیں تو انھیں کوئی سہارا دینے والا

نہیں ملتا۔ ان کی بقااور تحفظ کے لیے اسلامی اصول ناگزیر ہیں، جو ہر انسان کو اس کا حق دیتے ہیں، حفاظت فراہم کرتے ہیں اور بڑوں کے احترام اور چھوٹوں سے محبت کا درس دیتے ہیں۔ دنیا بھر میں، یورپ اور امریکہ سمیت، غیر مسلم ممالک میں اسلام بڑی تیزی سے مقبول ہو رہا ہے اور لوگوں کی بڑی تعداد اسلام قبول کر رہی ہے۔ اسلام اپنے سنہری اصولوں اور نظام حیات کی وجہ سے پھیل رہا ہے اور اسے انسانیت کا محافظ مانا جارہا ہے۔

معاشی اثرات:

مال و دولت کی فراوانی کا حصول انسان کا فطری فطرت ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص موجود ہو جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کے مال و دولت نہ ہو۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے انسانوں نے نت نئے معاشی اصول مرتب کیے۔ اشیاء کی خرید و فروخت، انھیں تجارتی مراکز تک پہنچانا اور ان اشیاء کی قیمت کا تعین وغیرہ ہر علاقے اور ملک کی اپنی اپنی روایتی اصولوں کے مطابق ہوتا رہا ہے۔ چیزوں کے بدلے چیزوں کا تبادلہ سے لے کر سونے کے سکے اور پھر کاغذ کی رسید تک کا سفر مختلف تجارتی اصولوں سے گزرتا ہوا آج جاری و ساری ہے۔ موجودہ معاشی نظام کی بنیاد یہودیوں کے بنائے گئے قوانین کے مطابق چل رہی ہے۔ یہودیوں کی تعداد اگر پوری دنیا میں سے لی جائے تو تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہیں، جب کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کی تعداد اربوں میں ہے۔ صرف مسلمانوں کی تعداد آج دو ارب کے قریب ہے۔ دنیا میں اس وقت عیسائیوں کی حکمرانی قائم ہے، مگر ان کی معیشت کا نظام یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا کا کنٹرول بھی عملی طور پر یہودیوں کے پاس ہی ہے۔

امریکہ، جو کہ بظاہر ایک عالمی طاقت اور سپر پاور ہے، اس کی سیاست، ثقافت اور معیشت پوری طرح ان کے قابو میں ہے۔ جدید دنیا میں جہاں ذرائع ابلاغ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی کے ذریعے پوری دنیا میں بیانیہ بنایا جاتا ہے اور ذہن سازی کی جاتی ہے، اس کا عملی طور پر قبضہ بھی انھی یہودیوں کے پاس ہے اور امریکہ جیسی طاقت بھی ان کے آگے بے بس ہے۔ دوسری طرف، سونے چاندی کی بجائے کاغذی کرنسی کے رواج اور بینک انشورنس، اسٹاک ایکسچینج کے شیطانی جال پر قابض ہونے کی وجہ سے اس وقت دنیا کی دولت کا بہت بڑا حصہ یہودی قبضے میں ہے۔ اس طاقت اور دولت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ لوگ جہاں چاہیں اور جس ملک میں چاہیں معاشی بحران پیدا کر لیتے ہیں۔ یہودی معیشت کی بنیاد سود پر ہے۔ جب ساری دنیا کی کل دولت کا ایک بڑا حصہ ان کے پاس موجود ہے، تو یہ دنیا کو اپنی شرائط پر رقم

ادھار دیتے ہیں۔ سود پر دی گئی اس کاغذی رقم کے عوض بھاری سود وصول کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظام معیشت ہے جس سے ساری دنیا کی دولت چند لوگوں کے پاس جمع ہونا شروع ہو جاتی ہے جو پہلے سے مالدار ہوں۔ ایک طرف تو چند لوگ دنیا کی ساری دولت پر قابض ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف کروڑوں انسان غربت اور افلاس کی وجہ سے دو وقت کے کھانے کو بھی ترس رہے ہوتے ہیں۔ اسلام نے سود کی سخت مخالفت کی ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ،ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔[11]

اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور تجارت کو حلال کر دیا۔ تجارت میں نفع اور نقصان کا احتمال ہوتا ہے۔ تجارت میں اللہ نے برکت رکھ دی ہے، جبکہ سود کو ظلم کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس بدترین نظام سے موجودہ دور میں غیر مسلم تو کیا، مسلمان بھی نہیں بچ سکے۔ یہودیوں نے عالمی مالیاتی اداروں کا قیام کر کے پوری دنیا کو اس طرح جکڑ کر رکھ دیا ہے کہ کوئی بھی ان سے بغاوت نہیں کر سکتا اور نہ ہی مسلمانوں میں وہ جرت باقی رہی ہے۔ اقبال اس سودی نظام کے سخت مخالف ہیں۔ اقبال اسے یہودیوں کا وہ فتنہ قرار دیتے ہیں جس کے ذریعے انھوں نے مسلمانوں کو غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔

از رِبا آخر چہ زاید فتن؟
کس نداند لذتِ قرض حسن
از رِبا تیرہ ، دل چو خشت و سنگ
آدمی درندہ، بے دندان و چنگ

رِبا (سود) سے آخر کار کیا پیدا ہوتا ہے؟ (اس سے) فتنے جنم لیتے ہیں۔ (اس کی وجہ سے) انسان پھاڑ کھانے والا جانور بن جاتا ہے مگر دانتوں اور پنجے کے بغیر۔[12]

یہودیوں کا یہ فتنہ آج اس قدر مضبوط اور طاقتور بن چکا ہے کہ امریکہ جیسی بڑی طاقتیں بھی ان سے بغاوت نہیں کر سکتیں۔ پوری دنیا میں اسی معاشی دہشت گردی کی وجہ سے فتنہ اور فساد برپا ہے۔ مغربی تہذیب کے پجاری، جو اپنے آپ کو مذہب قرار دیتے ہیں، خون خوار بھیڑیوں کی طرح جہاں دولت نظر آتی ہے وہاں لوٹنے پہنچ جاتے ہیں۔ جو بھی ملک انھیں مالی مدد کے لیے پکارتا ہے، وہ اسے اپنے پنجوں میں جکڑ لیتے ہیں اور تباہ کر دیتے ہیں۔

ایک طرف تو مغرب اور مشرق میں ان معاشی غنڈوں کا راج ہے، تو دوسری جانب چین ایک ایسا ملک ہے جس نے اپنی معیشت کو مضبوط بنانے کے لیے گزشتہ چھ دہائیوں میں جو حکمت عملی اپنائی، اس کی بنیاد پر وہ ابھرتی ہوئی معاشی طاقت بن چکا ہے۔ چین نے ترقی کے لیے سودی نظام کی بجائے ملک کے اندر موجود تمام وسائل کو استعمال کیا اور محنت و ہنر مندی سے دنیا بھر میں اپنی مصنوعات کو فروغ دیا۔ چین نے باقاعدہ معاشی انقلاب کی بنیاد ۱۹۷۸ء میں رکھی۔ اس معاشی ترقی کے لیے سب سے اہم کردار چین کی زراعت کا تھا۔ چینی کسانوں نے زراعت کو ترقی دینے کے لیے ان تھک محنت کی۔ اس کے بدلے میں حکومت نے انھیں براہ راست منڈیوں تک رسائی دی اور اپنی اجناس کے اچھے داموں فروخت کا موقع فراہم کیا۔ اس کے علاوہ ایسی پالیسیاں بنائی گئیں جن کے ذریعے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو ملکی منڈیوں تک لایا گیا۔ حکومت کی دور اندیش پالیسیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں نے چین کا رخ اختیار کیا۔ مقامی زرعی انقلاب سے کسان اور غریب لوگ خوشحال ہونا شروع ہو گئے۔ چین نے اپنی ثقافت کے فروغ کے لیے بھی اقدامات کیے اور مقامی افراد کی دستکاری اشیاء کو دنیا بھر کی منڈیوں تک پہنچایا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں کام کیا، بڑی بڑی فیکٹریاں اور کارخانے لگائے، اور دنیا کو سستی اور معیاری چیزیں فراہم کیں۔ آج چین دنیا کی سب سے بڑی برقیاتی اشیاء کا مرکز مانا جاتا ہے۔ زرعی شعبے، ٹیکنالوجی، سائنس اور روایتی اشیائی صنعت میں اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اقبال نے چینیوں کے بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ یہ قوم اب ترقی کرے گی اور ان کی خستہ حالی کے دن ختم ہونے والے ہیں، حالانکہ چین اس وقت اندرونی اور بیرونی خانہ جنگی کی زد میں تھا۔ علامہ اقبال نے ان کے بارے میں یہ پیش گوئی کی تھی۔

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے [۱۳]

معاشی طور پر چین آج ایشیا میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن چکا ہے۔ امریکہ اور یورپ کو ان کی اجارہ داری خطرے میں دکھائی دیتی ہے۔ امریکہ، جو دنیا کی سپر پاور ہے، اس کی معیشت بھی اپنی غلط حکمت عملیوں کی وجہ سے کمزور ہو رہی ہے۔ امریکہ نے جس طرح پوری دنیا میں خانہ جنگی شروع کروا رکھی ہے، اسے جاری رکھنے کے لیے اور فوجوں کی عسکری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خود معاشی دباؤ کا شکار ہے اور قرضوں پر ان جنگوں کو آگے بڑھا رہا ہے۔ امریکہ کی یہ لشکر کشی اس سفید ہاتھی کو

لے ڈوبے گی۔ اس سے قبل جتنی بھی سپر پاورز تباہ ہوئیں، ان کا انداز حکمرانی بھی اسی طرح کا تھا۔ دنیا بھر میں فوجیں بھیج کر وہاں کی دولت لوٹنے کی حکمت عملی نے انھیں تباہ کر دیا اور پھر کوئی نئی طاقت نے دنیا پر اپنا راج قائم کیا۔ مادیت کے اس دور میں، جب ہر چیز ہی پیسہ ہو، غنڈا گردی چھوڑ کر معیشت کے بنیادی اصولوں کو اپنانا چاہیے۔

دینی پیش گوئیوں کے اثرات

علامہ اقبال کی فکر اور فلسفے کی بنیاد دین اسلام پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں ملت اسلامیہ، اتحاد امت، مسلمانوں کی پست حالت اور عروج وغیرہ کا ذکر بہت زیادہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک ان کی پیش گوئیوں کا تعلق ہے، اقبال نے واضح پیغام دے دیا تھا کہ جب تک مسلمان ایک امت نہیں بنیں گے اور آپس میں فرقہ بندیوں سے باہر نہیں نکلیں گے، کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو آپس کے اتحاد کو قائم کر کے دنیا میں ایک مضبوط امت کے طور پر سامنے آنا چاہیے تھا، جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پہلے عرب اور عجم کی برتری کے سبب اپنے آپ کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا، پھر نسلی بنیادوں پر اور اس کے بعد فرقے اور مسالک بن گئے، اور امت ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ اقبال نے فرمایا:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہ باتیں ہیں[۱۴]

دینی تناظر میں علامہ اقبال کی پیش گوئیوں کے جو اثرات ظاہر ہوئے، وہ خاص طور پر برصغیر کے مسلمانوں کے حوالے سے ہیں۔ جب خلافت اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی، تو مسلمانوں میں، خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں میں، ایک خاص بے چینی پائی جاتی تھی۔ انھوں نے اپنا ایک وفد برطانوی حکومت کے پاس انگلستان بھیجا، جس کا مقصد یہ تھا کہ براہ راست انگریزوں سے ملاقات کر کے مسلمانوں کو درپیش خدشات کے بارے میں آگاہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں وفد بھیجا گیا، لیکن اقبال نے ان کے جانے سے قبل ہی بتا دیا تھا کہ وہ لوگ کیا جواب دیں گے۔ اقبال نے قرآن پاک کی ایک آیت کے ذریعے اس وفد کو ممکنہ جواب سے آگاہ کر دیا تھا۔

أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ

کیا ہم دو ایسے انسانوں پر ایمان لے آئیں جو ہم جیسے ہی ہیں، حالانکہ ان کی قوم تو ہماری غلام ہے؟[۱۵]

اس آیت مبارکہ کے مفہوم کے پیش نظر، اقبال نے وفد کو واضح پیغام دیا کہ انگریزوں کی سوچ کے مطابق، جو لوگ ان کے غلام ہیں، وہ ان کی بات کیوں مانیں۔ جب وفد واپس ہندوستان پہنچا تو بتایا گیا کہ ان کی کوئی بات نہیں مانی گئی۔ وفد سے ملاقات اور ان کی بات سننا صرف ایک رسمی کارروائی تھی، جس کا مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اہل عرب کا ترکی سے علیحدہ ہو جانا اور پھر نسل کی بنیاد پر ریاستیں قائم کرنا بھی ایک ایسا عمل تھا جس نے امت کو نقصان پہنچایا۔ ترکوں کے حوالے سے اقبال نے فرمایا تھا کہ یہ خلافت سے بیزار ہو چکے ہیں اور ایک جدید ترکی کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان تو چاہتے تھے کہ خلافت قائم رہے، جب کہ ترکوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جدید طرز حکومت قائم کریں گے۔ ترکوں کے اس فیصلے سے بظاہر لگتا تھا کہ وہ بڑی غلطی کر رہے ہیں اور ناکام ہو جائیں گے، لیکن اقبال یہ سمجھتے تھے کہ ترک قوم پھر سے مستحکم ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ترک قوم خلافت چھن جانے کے بعد دوبارہ طاقتور قوموں میں سے ایک بن گئی اور یورپ و امریکی فوجی اتحاد کا حصہ بھی ہے۔ مذہب کی بنیاد پر پاکستان کے قیام کے حوالے سے، علامہ اقبال نے اپنے خطہ الٰہ آباد میں جو نقشہ پیش کیا تھا، وہ بھی اللہ کی رحمت سے سچ ثابت ہوا۔ ایک آزاد ملک، اسلامی جمہوریہ پاکستان، علامہ اقبال کی وفات کے نو برس بعد معرض وجود میں آیا۔ نئے اسلامی ممالک تو بن گئے، مگر جو خدشہ اقبال کو امت کے حوالے سے لاحق تھا، وہ حقیقی معنوں میں درست تھا۔ عربوں نے اپنے ملک بن جانے کے بعد جدید ریاستوں کی طرح تعمیر و ترقی شروع کر دی، بڑی بڑی عمارتیں بنائیں اور نمائش میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے۔ روحانیت سے دور ہوتے چلے گئے، اس طرح دینی ہمیت اور غیرت بھی ختم ہوتی چلی گئی۔

امت مسلمہ تعداد میں بہت زیادہ ہونے کے باوجود کوئی خاص مقام نہیں رکھتے تھے۔ فرنگیوں کی غلامی پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ آپسی اختلافات میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھیں اس بات کا بھی احساس نہیں ہے کہ یہ ایک امت ہیں۔ بزدلی، بے عملی اور اخلاقی پستی کا شکار ہو گئے ہیں۔ مقصد حیات کو بھول چکے ہیں اور دنیا کے مفادات حاصل کرنے کی جستجو میں مگن ہیں۔ اقبال نے آج کے اس مسلمان پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے:

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے[16]

مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھ کر اقبال سمجھتے تھے کہ ان کے دلوں میں اللہ اکبر کا جذبہ ضرور موجود ہے، مگر ان میں وہ خصوصیات باقی نہیں رہیں جو کلمہ گو انسانوں کو ایک امت بناتی تھیں۔ یہ امت آپس میں اختلافات کی وجہ سے اتنی تقسیم ہو گئی ہے کہ عرب اور عجم کے جھگڑوں میں الجھ گئے۔ طاغوتی طاقتیں انھیں ایک ایک کر کے مٹا رہی ہیں، مگر ان کا ایمانی جذبہ ماند پڑ چکا ہے، ان کے دلوں کی آگ بجھ چکی ہے، اور یہ مسلمان نہیں بلکہ راکھ کے ڈھیر ہیں، جو کسی کے سامنے کھڑے ہونے کی جرت نہیں رکھتے۔ یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ نے جس طرح مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے، اس کا عالم یہ ہے: امریکہ کی افغانستان میں جنگ ہو، یا اسرائیل و فلسطین کی غزہ کی جنگ، شام اور عراق میں مسلمانوں کا قتل عام، ہر جگہ امت کا خون بہایا گیا۔ ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمان ایک دوسرے کو مرتے اور تباہ ہوتے ہوئے دیکھتے رہے۔ یہ راکھ کے ڈھیر اپنی اپنی جگہ پڑے رہے۔ اس میں ایمان کی چنگاری نہیں بڑھی اور نہ ہی کوئی اتحاد قائم ہو سکا۔ ایک ایک کر کے سب کو مٹانے کی کوشش جاری ہے۔

اقبال مسلمانوں کے حوالے سے مایوس نہیں ہیں، کیوں کہ وہ امید کے پیامبر ہیں اور امید کا پیغام دیتے ہیں۔ لہٰذا ان سب حالات کے باوجود جو امت پر گزر رہے ہیں، وہ اتحاد کا پیغام دیتے ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو مسلمانوں کو دنیا میں اپنے مقاصد حاصل کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو دنیا پر غالب کرنے کے لیے یہ امت کو متحد ہو کر عمل کرنا ہو گا۔ بقول اقبال:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر[۱۷]

حالات اس وقت اسی طرف اشارہ دے رہے ہیں کہ اقبال کی یہ پیش گوئیاں بھی پوری ہو رہی ہیں، ان شاءاللہ، جب مسلمان ایک امت بن جائیں گے اور مشرق و مغرب، عرب و عجم کے تفرقے سے باہر نکل جائیں گے۔ حالیہ جنگوں میں، خاص طور پر اسرائیل اور فلسطین کی جنگ، یا ایران، امریکہ و اسرائیل کی جنگ نے امت کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب سنجیدہ رویوں اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ واضح اصولوں کے تحت اتحاد قائم کیا جاسکے۔ اتحاد امت ہی بقائے امت ہے، ورنہ دشمن اسلام کے لیے عرب، عجم، شیعہ یا سنی نہیں بلکہ صرف اسلام ہے اور اس کے پیروکار ہیں۔ سارا کفر مل کر مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہے۔ اقبال کی ایک صدی قبل کہی گئی باتیں ایک ایک کر کے ہمارے سامنے سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ اتحاد امت بھی اسی امید کی ایک کرن ہے جو ضرور قائم ہو گی۔ اقبال نے

فرمایا تھا کہ اہل عرب ہی اس امت کو اکٹھا کر سکتے ہیں۔ اتحاد امت کے حوالے سے ایک قدم عرب لیگ اور (OIC) او آئی سی کی صورت میں ایک فوجی و دفاعی ادارہ قائم کر کے بھی اٹھایا گیا ہے۔ یہ عسکری ادارہ اگرچہ پوری طرح فعال نہیں ہو سکا، جس کی بنیادی وجہ فرنگی و یہودی اسلام دشمن طاقتیں ہیں۔ جیسے جیسے مسلمانوں پر آزمائشیں بڑھتی جا رہی ہیں، انھیں اتحاد کی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔

سائنسی پیش گوئیوں کے اثرات:

سائنس و ٹیکنالوجی کی تاریخ تو سولھویں صدی سے شروع ہوئی، اور وقت کے ساتھ ساتھ جدید علوم سیکھے گئے اور نئی نئی چیزیں ایجاد ہونے لگیں۔ انسان نے باقاعدہ سائنسی انقلاب گزشتہ صدی میں برپا کیا۔ بیسویں صدی کے آخر میں انسان نے اپنی روزمرہ زندگی کو آسان بنانے کے لیے تقریباً ہر وہ چیز ایجاد کر لی تھی جس کی اسے ضرورت پیش آتی تھی۔ یہ ایجادات نہ صرف انسانی زندگی کو آسان بنانے کے لیے کی گئیں بلکہ دنیا کی تسخیر کا ذریعہ بھی بنیں۔ انسان نے خلا کا سفر کیا اور چاند تک رسائی حاصل کر لی۔ دنیا بھر کے حالات کو جانچنے کے لیے جدید آلات ایجاد کیے گئے۔ مواصلات کے نظام میں انقلابی اقدامات کیے گئے۔ ٹیلی ویژن اور ٹیلی فون میں ایسی جدت لائی گئی کہ دنیا محوِ حیرت رہ گئی۔ آج دنیا کے کسی بھی کونے میں آپ موجود ہوں، مواصلاتی نظام کے تحت آپ نہ صرف اپنے گھر والوں سے بات کر سکتے ہیں بلکہ انھیں دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اکیسویں صدی میں انسان کے انقلابی قدموں کے ساتھ ایسی حیرت انگیز ایجادات سامنے آئیں کہ ناقابلِ یقین ہیں۔ موجودہ دور میں مصنوعی ذہانت نے دنیا کو ایک نئی راہ دی ہے۔ جہاں انسان پہلے سخت محنت اور طویل وقت کے دوران کوئی کام کرتا تھا، آج ایک بٹن دبانے سے وہ کام با آسانی ممکن ہو چکا ہے۔ علامہ اقبال نے دنیا کی ان ہی تبدیلیوں کے بارے میں فرمایا تھا:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی[۱۸]

علامہ اقبال نے جس زمانے میں سائنسی انقلابات کے حوالے سے پیش گوئیاں کی تھیں، اس زمانے میں ان ایجادات کے بارے میں کسی کو بھی گمان نہیں تھا۔ علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں مستقبل کے حوالے سے پیش گوئیاں کیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں مریخ کی دنیا میں پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ مستقبل میں انسانیت کا جو نقشہ ہے وہ بالکل بدلنے والا ہے۔ انسانیت ان علوم سے واقف ہونے والی ہے جن کے بارے میں ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ علامہ اقبال یہ بیان ۱۹۳۰ء کی دہائی

میں کر رہے تھے، یعنی آج سے تقریباً ایک صدی قبل۔ اقبال فرماتے ہیں کہ انسانیت کی ترقی اور علم کا جو نقشہ مستقبل میں دکھائی دیتا ہے، اس کے بارے میں سوچ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

آمد آن وقتی کہ از اعجازِ فن
می تواں دیدن جنیں اندر بدن[19]

اب یہ وقت آگیا ہے کہ ایک فنی معجزے کی بدولت بدن کے جنیں (EMBRYO) کو دیکھا جاسکتا ہے۔

اقبال فرماتے ہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے جب انسان ایسا علم حاصل کر لے گا، جس کی بدولت اسے پتہ چل جائے گا کہ ماں کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی۔ مزید یہ کہ وہ اس بات پر بھی قابو پالے گا کہ اپنی مرضی سے جو چاہے حاصل کر سکے، چاہے بیٹا ہو یا بیٹی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اقبال نے یہ بات ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء کے دوران جاوید نامہ میں کہی تھی، جبکہ اس مشین کی ایجاد کا وقت ۱۹۷۰ء کی دہائی ہے۔ یہ مشین، جسے الٹرا ساونڈ کہا جاتا ہے، اپنی سب سے بہتر نتائج دینے والی شکل میں ۱۹۹۰ء کی دہائی میں متعارف ہوئی، جس سے واضح طور پر معلوم کیا جاسکتا تھا کہ ماں کے رحم میں بیٹا ہے یا بیٹی۔

گر نباشد بر مراد ما جنین
بی محابا کشتن او عین دین[20]

اگر انسان چاہے گا تو اس بچے کو رحم ماں میں ہی مار دے گا، اور یہ قانون کے مطابق ہو گا کہ اس بچے کو مار دے یا اس کی پیدائش ہونے دے۔

ان سائنسی ایجادات نے مزید ترقی کی ہے، جس کے ذریعے انسان اپنی مرضی کی اولاد بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اب تو سائنسی ایجادات نے انسان کی پیدائش کے لیے کسی رحم (ماں کے پیٹ) کے بغیر بھی بچوں کی پیدائش کو ممکن بنا دیا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ انسان کے علم کی کوئی انتہا نہیں ہو گی بلکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ وہ ایسی چیزیں ایجاد کر لے گا جو انسانی معاشرے کا پورا انظام ہی بدل دیں گی۔

پرورش گیرد جنین نوع دگر
بی شب ارحام دریا بد سحر[21]

''اب بچہ رحم مادر (ماں کے پیٹ) سے پیدا نہیں ہو گا، بچے کے پیدائش کے لیے ماں کی ضرورت نہیں ہو گی وہ باہر مشین کے زریعے پیدا ہو گا۔''

علامہ اقبال نے جس زمانے میں یہ پیش گوئیاں کیں، اس زمانے میں یہ تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ آج اس دنیا میں یہ ممکن ہو چکا ہے۔ انسان نے ایسی چیزیں ایجاد کر لی ہیں جن کے ذریعے وہ جسم کے اندر موجود کسی بھی چیز کے بارے میں جان سکتا ہے اور اسے تبدیل بھی کر سکتا ہے۔ آج کی سائنس دنیا میں بغیر ماں باپ کے بچوں کی پیدائش کو بھی ممکن بنا چکی ہے۔ انسان کا صرف ڈی این اے کافی ہے کسی دوسرے انسان کی پیدائش کے لیے۔ اقبال نے جو حیران کن پیش گوئیاں کیں، ان میں اکیسویں صدی کی جدید ترین سائنسی ایجادات، جیسے کہ مصنوعی ذہانت (AI) ، بھی شامل ہیں۔

خود بخود بیرون فتد اسرار زیست
نغمہ بی مضراب بخشد تار زیست [۲۲]

''انسان کی زندگی کے اسرار بغیر کسی انسانی وسیلے کے سامنے آنے لگیں گے، مستقبل میں زندگی کی اسرار حیات کا نغمہ بغیر ساز کے بجے گا۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک زمانہ ایسا آ سکتا ہے جب انسان کو دنیا میں کام کرنے کے لیے کسی دوسرے انسان کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، اور سب کچھ مصنوعی ذہانت کے ذریعے ممکن ہو جائے۔ انسانی دنیا میں انسانوں کی ضرورت کو کم کر دیا جائے گا۔ آج جب اس دور کی جدید تحقیق کو پرکھتے ہیں تو یہ بات کسی حد تک درست محسوس ہوتی ہے کہ انسان نے ابتدا میں صرف اتنی ترقی کی تھی کہ وہ انسانی جسم اور اس کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھ سکے، مگر اب یہ علمی ترقی اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ دنوں، ہفتوں اور مہینوں کا کام چند منٹوں میں ممکن ہو گیا ہے۔ علم و ادب کے حوالے سے کچھ جاننا ہو تو ایک بٹن دبانے کی دیر ہے اور معلومات فوری طور پر دستیاب ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا نہ صرف ممکن بلکہ انتہائی آسان ہو گیا ہے۔ انسان کی جگہ اب روبوٹس کام کر رہے ہیں۔ بعض ترقی یافتہ ممالک میں انسانوں کی خدمت کے لیے بھی روبوٹس استعمال ہو رہے ہیں۔ فیکٹریوں اور کارخانوں میں بھی انسانوں کی جگہ مشینوں نے لے لی ہے۔ ہر چیز کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول ہو رہی ہے اور مسلسل کام جاری ہے۔ مصنوعی ذہانت کے ذریعے بڑے بڑے منصوبوں کی حکمت عملی اور ان پر آنے والی لاگت بھی منٹوں میں، بغیر کسی بڑی انسانی مداخلت کے، معلوم کی جا رہی ہے۔ جہاں اس علمی ترقی نے انسانی زندگی میں انقلاب برپا کیا ہے، وہیں اس سے خود انسانوں کو ایک نئے قسم کا خطرہ بھی لاحق ہونے لگا ہے۔ مصنوعی ذہانت نے انسانوں کی ضرورت کو بڑی حد تک کم کر دیا ہے۔ ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ آنے والے زمانوں میں انسان کی حیثیت بدل جائے گی۔ تاہم یہ کہنا کہ انسان مکمل طور پر ناپید ہو جائے گا، ایک قیاس آرائی ہے۔ زیادہ حقیقت پسندانہ بات یہ ہے کہ انسان اور مصنوعی ذہانت کے درمیان ایک نیا توازن قائم ہو گا، جہاں انسان رہنمائی اور تخلیقی صلاحیتوں کا مرکز رہے گا۔

حاصلِ تحقیق یہ ہے کہ علامہ محمد اقبال کی پیش گوئیوں اور مستقبل بین اشارات کو محض غیبی خبروں یا اتفاقی شعری تطابق کے طور پر دیکھنے کے بجائے ان کی عمیق تاریخی بصیرت، تہذیبی شعور، سیاسی ادراک اور انسانی فطرت کے گہرے مطالعے کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ موجودہ عالمی صورتِ حال میں طاقت ور ریاستوں کی بالادستی، کمزور ممالک کے وسائل پر قبضے کی کوشش، جنگوں کے ذریعے سیاسی نقشوں کی تبدیلی، فلسطین اور دیگر مسلم خطوں کا بحران، امتِ مسلمہ کی داخلی تقسیم، سودی سرمایہ دارانہ نظام کی توسیع، خاندانی و اخلاقی اقدار کا زوال، چین کا معاشی عروج اور سائنس و ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز پیش رفت ایسے مظاہر ہیں جو اقبال کے بہت سے فکری انتباہات کو نئی معنویت عطا کرتے ہیں۔ تاہم اقبال کا اصل امتیاز صرف یہ نہیں کہ انھوں نے مستقبل کے بعض رجحانات کو پہلے سے محسوس کر لیا تھا، بلکہ یہ ہے کہ انھوں نے ان بحرانوں کے اسباب بھی واضح کیے اور ان سے نکلنے کا راستہ بھی دکھایا۔ ان کے نزدیک مادیت، استعمار، معاشی استحصال، نسلی و قومی عصبیت، فرقہ واریت، تقلید، اخلاقی بے سمتی اور خودی کی کمزوری فرد اور قوم دونوں کو زوال کی طرف لے جاتی ہے، جب کہ ایمان، علم، خودشناسی، اخلاقی قوت، معاشی عدل، سائنسی شعور، مسلسل عمل اور امت کا اتحاد تاریخ کا رخ بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اقبال کی پیش بینیوں کا مقصد خوف، مایوسی یا ناگزیر تباہی کا تصور پیدا کرنا نہیں بلکہ انسان اور بالخصوص ملتِ اسلامیہ کو بروقت خبردار کر کے ذمہ دارانہ اور تخلیقی عمل کی دعوت دینا ہے۔ اسی لیے ان کی فکر عصرِ حاضر کے سیاسی، تہذیبی، معاشی، دینی اور سائنسی بحرانوں میں محض ایک ادبی حوالہ نہیں بلکہ تنقیدی شعور اور عملی رہنمائی کا مؤثر سرچشمہ بن کر سامنے آتی ہے۔ یوں اقبال کی پیش گوئیوں کا سب سے اہم عالمی اثر یہ ہے کہ وہ آج بھی انسانیت کو طاقت اور مادے کی اندھی پرستش کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے عدل، روحانیت، انسانی وقار، اخلاقی ذمہ داری اور بین الاقوامی امن پر مبنی ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

۱ طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر، معاصر تہذیبی کشمکش اور فکر اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۳۳۱

۲ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸، ص۱۴۷

۳ ترمذي، امام محمد بن عيسٰى الترمذي، سنن الترمذي، رقم الحديث: ۲۱۹۲.

۴ تحسین فراقی، ڈاکٹر (مترجم)، اب کیا کرنا چاہیے اے اقوامِ شرق، مثنوی پس چہ باید کرد کا منظوم اردو ترجمہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص:۸۸-۸۹

۵ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (اُردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۲۳۵

۶ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۸۳۷

۷ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (اُردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۲۳۱

۸ ایضاً، ص:۳۷۳

۹ ایضاً، ص:۵۸۵

۱۰ ایضاً، ص:۱۶۷

۱۱ صلاح الدین یوسف، مولانا حافظ، القرآن احسن البیان، دارالسلام، لاہور، سورۃ البقرہ (۲)، آیت:۲۷۹

۱۲ محمد حسن رازی، اقبال کی پیش گوئیاں، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، فروری ۲۰۱۱ء، ص:۳۰

۱۳ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (اُردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۴۵۱

۱۴ ایضاً، ص:۲۳۰

۱۵ صلاح الدین یوسف، مولانا حافظ، القرآن احسن البیان، دارالسلام، لاہور، سورۃ المؤمنون (۲۳)، آیت:۴۷

۱۶ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (اُردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۴۵۱

۱۷ ایضاً، ص:۲۹۵

۱۸ ایضاً، ص:۲۲۲

۱۹ محمد حسن رازی، جاوید نامہ، اقبال کی پیش گوئیاں، علم و عرفان پبلشرز لاہور، فروری ۲۰۱۱ء، ص:۳۱

۲۰ محمد اقبال، علامہ، جاوید نامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص:۹۸

۲۱ ایضاً، ص:۹۸

۲۲ ایضاً، ص:۹۸